

مولانا، کوکڑی سزا ملنی چاہیے؟

بار بار اعلان ہو رہا تھا کہ وزیر اعظم ٹی وی چینلز پر آ کر کورونا کے سلسلے میں عام لوگوں سے امداد مانگیں گے۔ مناسب نہ لگا۔ اسلیے کہ ملک کے سربراہ کو چندہ نہیں مانگنا چاہیے۔ عملی طور پر ٹی وی پر نیشنل جوگرافک، انیمیل پلانٹ تک محدود ہوں یا نیٹ فلیکس پر تاریخی فلمیں دیکھتا ہوں۔ عمران خان کے سماجی کام تک تو درست ہے۔ لیکن مجھے اس شخص کی سیاست سے کوئی لینا دینا نہیں۔ حد درجہ مواقع تھے، جب میں وزیر اعظم کی اندرونی ٹیم کا حصہ بن سکتا تھا۔ مگر دل نہیں مانا۔ اسی طرح جیسے نواز شریف یا شہباز شریف کے قریب آنے کے تمام مواقع جان بوجھ کر گنوا تارہا۔ ٹی وی کے اس اعلان میں مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ خاص نہیں بلکہ عام بھی نہیں۔ تین چار دن پہلے، عادت کے مطابق ٹی وی آن کیا تو یہ ٹیلی تھون ختم ہو چکی تھی اور مولانا طارق جمیل کی دعا شروع ہو رہی تھی۔ مولانا کی دعا سننے کیلئے اس چینل کو دیکھنا شروع کر دیا۔ عمومی طور پر مولانا کا کوئی پروگرام نہیں دیکھتا۔ انکے اور میرے، بہت سے باہمی دوست ہیں۔ مگر کبھی مولانا سے ملنے کی خواہش نہیں کی۔ بہر حال دین کی موجودہ شکل میں، انکی زبان میں تاثیر موجود ہے۔ اسکا اعتراف نہ کرنا حد درجہ نا انصافی ہوگی۔ مولانا کی دعا شروع ہوئی۔ دعا مانگتے ہوئے انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ ایسی فصاحت سے الفاظ نکل رہے تھے کہ ششدر رہ گیا۔ انکے الفاظ سنکر ایسے معلوم ہوا کہ میری آنکھیں بھی بھر آئی ہیں۔ خیر دعا ختم ہوئی اور وقتی جذباتیت سے نکل کر واک کرنے باہر نکل گیا۔ ڈیڑھ گھنٹے تک مولانا کے دعائیہ کلمات کے متعلق دھیان رہا۔ ذہن جھٹک کر اپنے آپ ہی سے سوال کیا کہ یہ تو ذاکر ٹائپ انسان ہے۔ بھلا، اس سے میرا کیا لینا دینا۔ حقیقت ہے کہ مولانا کی دعا بالکل فراموش ہو گئی۔

ایک دو دن گزرے تو لگا کہ ایک طوفان سا آچکا ہے۔ میڈیا کے ایک مخصوص حلقے نے مولانا پر حد درجہ تنقید کرنی شروع کر دی۔ اسلیے کہ مولانا نے اپنی دعائیں میڈیا کے متعلق سخت لفظ استعمال کیے تھے۔ بہر حال تنقید میڈیا کا حق ہے اور یہ حق موجودہ میڈیا نے حد درجہ محنت سے حاصل کیا ہے۔ بالکل اسی طرح سوشل میڈیا پر، پی ایم ایل این سے وابستگی رکھنے والے لوگوں کی اکثریت نے مولانا پر حد درجہ لعن طعن شروع کر دی۔ مجھے کچھ سمجھ نہ آیا۔ مولانا کی دعا کی کلپ کو انٹرنیٹ پر دوبارہ دیکھا۔ انہوں نے قوم، میڈیا اور خواتین کے متعلق حد درجہ مشکل الفاظ استعمال کیے تھے۔ میری دانست میں انہیں یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اسلیے کہ مذہبی عالم کبھی بھی سیاسی یا سماجی وابستگی نہیں رکھتا۔ رد عمل دیکھ کر عجیب سا لگا۔ مگر یہ سب کچھ ذاتی اینگل سے ہوتا نظر آ رہا تھا۔ اب مجھے اس میں دلچسپی شروع ہو گئی۔ ٹی وی کے ایک پروگرام میں مولانا کو ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے سنا۔ دل کی بات عرض کروں، کہ کچھ مناسب نہیں لگا۔ اتنا بڑا عالم دین، بچوں کی طرح اعتراف کر رہا تھا کہ اس نے فلاں اینٹکر کوفون کر کے ذاتی معافی مانگی۔ فلاں نے انکا فون نہیں سنا۔ پھر ٹی وی پر بھی وہ رقت آمیز طریقے سے معافی مانگ رہے تھے، مگر طنز کے نیزوں سے ان پر پھر بھی زخم لگانے کی کوشش جاری تھی۔ یہ طرز عمل بہر حال موزوں نہیں تھا۔ مگر اس واقعے نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ بہت کچھ۔

مولانا نے کہا کہ عمران خان کو گلشن کی حفاظت کا کام اس وقت ملا، جب گلشن اُجڑ چکا تھا۔ اس پر دور رائے ہو سکتی ہیں۔ ن لیگ سے

ہمدردی رکھنے والے لوگ اس جملے سے کبھی متفق نہیں ہونگے۔ دوبارہ عرض کرونگا کہ مجھے عمران خان کی سیاست سے کوئی ہمدردی نہیں۔ مگر کیا یہ جملہ بالکل غیر معقول تھا۔ کیا واقعی گزشتہ دہائی میں پاکستان، حد درجہ ترقی کر رہا تھا۔ ایسا کچھ بھی نہیں تھا اور نہ مستقبل میں ہوگا۔ مگر ایک واقعہ سے صرف یہ عرض کرونگا کہ ہمارے لیڈروں کی ترجیحات کیا تھیں اور اب کیا ہیں۔ پاکستان اور انڈیا کے درمیان کارگل پر بھرپور جنگ ہو رہی تھی۔ ہمارے عسکری اداروں کے چند سینئر افسروں کی غلط معلومات اور منصوبہ بندی سے پہاڑی چوٹیوں پر ہمارے جوانوں کو ذبح کیا جا رہا تھا۔ نواز شریف کو اس وقت، انتہائی مخدوش حالات میں چین جانا پڑا۔ اس وقت کے سیکرٹری خارجہ انکے ہمراہ تھے۔ سیکرٹری خارجہ نے چین میں نواز شریف کو کہا کہ ہمیں فوراً پاکستان جانا چاہیے کیونکہ جنگ پھیل سکتی ہے۔ پورا ملک اسکی لپیٹ میں آسکتا ہے۔ وزیراعظم نے سیکرٹری خارجہ کو کہا کہ چلیے کل واپس چلتے ہیں۔ مگر ہانگ کانگ ضرور رکنا ہے۔ کیونکہ وہاں شاپنگ بہت بہتر ہوتی ہے۔ سیکرٹری خارجہ کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ سر، پاکستان حالتِ جنگ میں ہے۔ آپکو فی الفور، اسلام آباد پہنچنا چاہیے۔ تاکہ بروقت فیصلے کر کے جنگ کو پھیلنے سے روکا جاسکے۔ مگر وزیراعظم اور انکا خاندان، ہانگ کانگ رکا۔ انہوں نے وہاں دل بھر کر شاپنگ کی اور فارغ ہو کر آرام سے اگلے دن سرکاری طیارے سے پاکستان واپس آ گئے۔ جس افسر نے یہ قصہ سنایا۔ اسکے گواہ تقریباً ساٹھ کے قریب افسر ہیں اور سارے حیات ہیں۔ آپ کسی سے بھی اسکی صداقت کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ عرض کرنے کا مقصد واضح ہے۔ میاں نواز شریف اور انکے اہل خانہ، اپنے مزاج میں وہ شاہانہ پن رکھتے تھے اور ہیں، جس میں عملی طور پر اس ملک کی حیثیت صرف اور صرف ثانوی سی ہے۔ خود سوچیے۔ کیا دنیا کی کسی قوم کا وزیراعظم جنگ کی صورتحال میں شاپنگ کا سوچ سکتا ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ یہ واقعہ لکھنے کی ضرورت اسلیے پیش آئی، کہ ہمارے چند محترم قلم کار، مولانا طارق جمیل کے اس واقعے کی آڑ میں محترم نواز شریف کی شان میں قلابے ملانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسکے علاوہ، سینکڑوں انتہائی واقعات ہیں، جہاں میں نے ملک کے حاکموں کا حد درجہ ادنیٰ رویہ دیکھا ہے۔ عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ عمران خان جب حکومت میں آیا تو چین کے کچھ رکھوالے، اسکو واقعی برباد کر چکے تھے۔ ویسے مولانا صاحب کی اطلاع کیلئے دست بستہ عرض ہے کہ صاحب، چین تو موجودہ قیادت بھی اطمینان سے برباد کر رہی ہے۔ ہراہم آدمی کے ساتھ، کچھ نہ کچھ بے اعتدالی کے قصے جڑے ہوئے ہیں۔

اب حد درجہ نازک موضوع کی طرف آتا ہوں۔ وہ ہے میڈیا میں سچ اور جھوٹ کا عمل دخل۔ توازن اور عدم توازن کا رخ۔ ہو سکتا ہے کہ مولانا کی بات مکمل طور پر درست نہ ہو۔ کیونکہ میڈیا میں فائدہ لینے والے لوگوں کی تعداد حد درجہ کم ہے۔ اکثریت، انتہائی سفید پوشی سے زندگی گزار رہے ہیں۔ قربانی دیکر سچ بولنے کی جرات رکھتے ہیں۔ مگر کیا ہم میڈیا کے دو تین فیصد لوگوں پر تنقید کا حق نہیں رکھتے۔ جو ہر ہتھکنڈے سے امیر درامیر ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا ہم ان میڈیا پرسنز کی صرف لچھے دار باتیں سنکر، یہ سچ بھول سکتے ہیں کہ انہوں نے سائیکل سے مرسیڈیز کا سفر کیسے طے کیا۔ لازم ہے کہ یہ سب کچھ ایمانداری سے نہیں کیا گیا۔ مرسیڈیز کو چھوڑ دیجئے۔ کچھ حضرات تو روز لڑائیں اور ذاتی جہازوں کے مالک ہیں۔ اگر حکومتی وزراء، وزراء اعظم، بیورو کریٹس، عدلیہ اور فوج پر تنقید ہو سکتی ہے۔ اگر معاشرے کے ہر طبقہ کو میڈیا، لتاڑ سکتا ہے۔ تو کیا وہ چند فیصد لوگ، جنہوں نے

میڈیا کو ریغمال بنا رکھا ہے، مولانا طارق جمیل کی معمولی سی تنقید بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ صاحب، ہر طبقہ کی طرح میڈیا میں کالی، پیلی، نیلی بھیڑیں موجود ہیں۔ جس طرح انہیں حق ہے، کہ وہ معاشرے کے ہر طبقے پر جائز یا ناجائز تنقید کریں۔ بالکل اسی طرح، لوگوں کو بھی حق ہے کہ انکے عمل کے متعلق بھرپور تنقید کریں۔ یہ حق بالکل یکطرفہ نہیں ہے۔ جزئیات میں نہیں جانا چاہتا۔ کوئی مثال بھی نہیں دینا چاہتا۔ مگر تحریر کا اشارہ سمجھنے والے اتنے بچے نہیں ہیں کہ میری عرض داشت کو نہ سمجھ پائیں۔ دوسری بات، کرنٹ افیئر ز پروگرام حقیقت میں بے تاثیر ہو چکے ہیں۔ ان گنت لوگوں کو جانتا ہوں جو اب کسی بھی چینل یا اینکرز کے پروگرام نہیں دیکھتے۔ اسکی واحد وجہ، پرفیشنلزم کا فقدان اور ٹی وی پر آنے والے لوگوں کی مبالغہ آرائی ہے۔ عرض کرتا چلوں۔ پاکستان کے ایک نامور اقتصادی ماہر ہر پروگرام میں دھاڑ دھاڑ کر کہتے ہیں کہ پاکستان تباہ ہو چکا ہے۔ ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ یہی کچھ وہ ن لیگ کی حکومت، زرداری کی حکومت کے متعلق بھی فرماتے تھے۔ لیکن جب انہیں سابقہ حکومت نے وزیر خزانہ بنا دیا تو مکمل طور پر خاموش ہو گئے۔ بلکہ خوش ہو گئے۔ اس سیاسی سیٹ اپ میں بھی انہوں نے وزیر خزانہ بننے کیلئے حد درجہ لائبرلنگ کی۔ مگر ناکام ہونے پر، اب ٹیپ ریکارڈ رو بارہ وہی کہہ رہا ہے جو دس پندرہ سال پہلے کہہ رہا تھا۔ دراصل، ذاتی فائدہ یا نقصان ہی وہ روش ہے جو ہمارے جیسے ملک میں رویوں کی بنیاد بنتی ہے۔ ہم لوگ مکمل طور پر بونے ہیں اور بونے ہی رہینگے۔ میڈیا بھی دوسرے شعبوں کی طرح اس ذاتی روش سے مبرا نہیں ہے۔

مگر کیا یہ بات افسوسناک نہیں کہ معمولی سا سچ بولنے پر مولانا طارق جمیل کی انتہائی ادنیٰ طریقے سے بے عزتی کی جا رہی ہے۔ مجھے مولانا سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نہ ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ نہ کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔ مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ انکی تبلیغی خدمات سے انکار ممکن نہیں ہے۔ وہ اس معاشرے میں محبت اور یکجہتی سے کام لیتے ہیں۔ فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر اپنی دانست میں جو درست سمت ہے، اس میں کام کرتے جا رہے ہیں۔ انکا حلقہ ارادت کسی چینل یا اینکر سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ امریکہ سے لیکر افریقہ تک، جاپان سے لیکر برازیل تک، انہیں حد درجہ احترام سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ پاکستان کا سوفٹ امیج ہیں۔ دہشت گردی، شدت پسندی اور مذہبی سختی سے ہزاروں نوری سال دور۔ مگر نہیں، مولانا نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے کے باوجود ہم انہیں ریگید تے رہینگے۔ بونے، انکے جسم میں کیلیں ٹھونکتے رہینگے۔ انہیں زخم پہنچاتے رہینگے۔ شاید مولانا طارق جمیل سمجھ ہی نہیں پائے کہ یہاں تو معمولی سا سچ بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ اس نفرت زدہ معاشرے میں انہیں اختیار ہی نہیں ہے کہ تھوڑا سا سچ ہی بول پائیں۔ مولانا طارق جمیل کو اس بے باکی پر کڑی سزا ملنی چاہیے؟

راؤ منظر حیات